شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

زیرِ سرپرستی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مجلس ادارت

صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

مدیرِ اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد

مدیر: محمد عباس شاد

جنوری **2011**ء / صفر المظفر **1432**ھ — **CPL No .59** — جلد نمبر **3**، شمارہ نمبر **01** — ☆ قیمت فی شمارہ: مبلغ **12** روپے — ☆ سالانہ ممبر شپ: مبلغ **150** روپے

حضرت اقدس مولانا
ارشادِ گرامی
شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ:

”مرنے کے بعد جب تک دماغ نہیں سڑتا، گلتا اور بگڑتا، اگر مردے کو زندہ کر دیا جائے تو وہی خیالات، جو پہلے تھے، پھر ظاہر ہوں گے۔ مگر جس نے توجّہ إلی اللّٰہ حاصل کر لی، جس درجے کی بھی ہو، تو (اگرچہ) جسم گل سڑ جائے، اور مٹی بن جائے، مگر روح میں جو ملکہ (پیدا) ہو گیا ہے، وہ اپنا کام کرے گا۔ اور انسان ترقی کرتا جائے گا۔ یہ جو جنت میں کھانے کے پھلوں کا ذکر ہے کہ ہر کھانا پہلے کھانے سے زیادہ لذیذ ہوگا، یہ ترقی ہی تو ہے۔

اور یہ جو جنت میں کھانوں کا ذکر ہے، سو مثال ہے۔ ورنہ وہ تو اور ہی کچھ ہے۔ ہو سکتا ہے وہی کچھ شروع میں کھانوں وغیرہ کی شکل میں متمثل ہو جائے، ورنہ جنت میں یوں بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے دریافت فرمائیں گے کہ اب اَور کچھ چاہیے؟ سب کہیں گے: اب اور کیا چاہیے؟ تو اللہ اپنی تجلّی ڈالیں گے، جس کی لذت میں سالہا سال لوگ مست رہیں گے۔“

(مجلس **09**رمضان المبارک **1365**ھ/ **07**اگست **1946** مقام: رائے پور)
(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص **31-32**، طبع مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

ترتیب عنوانات

درسِ قرآن: تشریح........حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ 2
درسِ حدیث: تشریح... حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقیؒ 2
اداریہ..............................مدیرِ اعلیٰ 3
خطبہ جمعۃ المبارک.............مفتی عبدالخالق آزاد 4
وفیات ....مفتی عبدالخالق آزاد 7
دینی مسائل...............مفتی عبدالغنی قاسمی 8

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (بورے والا)
حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی (چشتیاں)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خاں)
محترم محمد اسلوب قریشی (لاہور)
محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
محترم سید اصغر علی شاہ بخاری (پیرجوگوٹھ)
محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
محترم سید سیف الاسلام خالد (راولپنڈی)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
حضرت مولانا قاری تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)

شعبہ مطبوعات
ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ رجسٹرڈ

مین کیمپس لاہور
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714 , 36369089 www.rahimia.org

ریجنل کیمپس کراچی
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616 , 36320707

ریجنل کیمپس سکھر
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

ریجنل کیمپس ملتان
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سالانہ ممبر شپ کی رقم ”ناظم دفتر“ کے نام ارسال کریں، اپنا پتہ صاف اردو میں اور خوشخط لکھ کر بھیجیں۔ ○ پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔
تین سال کی ممبر شپ کے لیے مبلغ 400 روپے ارسال کریں۔ ○ **رحیمیہ** کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

درسِ قرآن

تشریح: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

انسانی سوسائٹی کا کمال؛ ایمانی قوت کا کفر پر غلبہ

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (2:64)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور کوئی تم میں ایمان دار اور جو تم کرتے ہو، اللہ دیکھتا ہے۔''

اس کائنات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی گئی، جس کا جوڑا پیدا نہ کیا گیا ہو۔ یعنی ہر ایک چیز کے بالمقابل اس کا توڑ کرنے والی چیز موجود ہے۔ ایسے نظام کو جس میں تمام چیزیں ایک دوسرے کے متضاد واقع ہوئی ہوں، اعلیٰ طریق پر چلانا صرف اس قدرتِ قادر کا کام ہے، جو ہر ایک کام کو اپنی جگہ پر رکھنے کا پورا پورا اختیار رکھتا ہے۔ بے شک ہر ایک چیز بذاتِ خود حسن و جمال کی مالک ہے، مگر مجموعہ حسنِ نظام کو قائم رکھنا اس قدرتِ حق ہی کا کام ہے۔

اگر اس حقیقت کو نظامِ انسانی میں لایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کے مقابلے میں کافر ضرور موجود ہے۔ اگر مؤمن کے مقابلے میں کافر نہ ہوتا تو مؤمن کے ایمان کی خوبی سمجھ ہی میں نہ آتی۔ مثلاً رات کی تاریکی دیکھے بغیر دن کی روشنی کا ادراک ہو ہی نہیں سکتا۔ مؤمن کو کافر کا مقابلہ کرنے میں جو مشقتیں پیش آتی ہیں انہی سے اس کی محبت الٰہی کی شدت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اس محبت میں جس قدر مصیبتیں برداشت کرتا ہے، اللہ انھیں دیکھ رہا ہے۔ دن کی خوبی سمجھنے کے لیے رات کا آنا ضروری ہے، مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ رات کے اندھیرے میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رات کا اپنا ایک نظام ہے۔ اسی طرح نظام انسانی میں مؤمن کے ساتھ کافر کا موجود ہونا ضروری ہے۔ لیکن کافروں کی پیدائش میں جو حکمتیں ہیں، ان سے ہمارا واسطہ نہیں ہے۔

مثلاً ہم راستے پر چلتے ہیں اور پتھر سے ٹھوکر لگتی ہے، اور ہم پتھر سے بچ کر صاف راستہ تلاش کرتے ہیں۔ پتھر کی ٹھوکر نے ہمیں سیدھے راستے کی طرف متوجہ کر دیا۔ مگر کیا پتھر میں یہی ایک خوبی تھی؟ لیکن راہ رو کو پتھر کی خوبیوں پر غور کرنے کے لیے کوئی وقت یا موقعہ نہیں ہے۔ انبیاؑ کی تعلیمات کا مقصد فقط انسانیت کی تکمیل ہے۔ انسانیت سے باہر چیزوں پر بحث کرنا ان کی تعلیمات سے خارج ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں اللہ نے انسان کے سوا اور کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی۔ اس نے یقیناً اور اشیا بھی پیدا کی ہیں اور ان میں حکمتیں بھی ہیں، مگر چوں کہ انسانیت کو ان سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے ہم اس سے بحث نہیں کرتے۔

جو انسان کافر پیدا ہوا، اس کا ایک تعلق انسانیت سے یہ ہے کہ وہ مؤمن کے راستے میں رکاوٹ ہے، جسے مؤمن کو اپنی عقل اور ہمت سے دور کرنا چاہیے۔ اس سے اس کی قوتِ ایمانی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اتنی چیز سے تو شرائع الٰہیہ کو براہِ راست تعلق ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے درجے پر یہ چیز بھی شریعت کی ذیل میں آتی ہے کہ ایک کامل الایمان مؤمن ایک کافر کو مؤمن بنانے میں کتنی کوشش صرف کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ انسانیت کا فرد ہے۔ اور اسے خدا کی طرف توجہ دلانا، مؤمن کا طبعی فرض ہے۔ مؤمن کے دو کام:

پس شریعت میں دو حیثیتوں سے بحث کی جاتی ہے:

(1) کافر، مؤمن کے لیے رکاوٹ ہے، وہ اسے دور کر کے اپنا راستہ صاف کرتا ہے۔

(2) کافر کی انسانیت مدھم ہے اور مؤمن اسے روشن بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کے ماسوا کافر کے وجود میں جو حکمت ہوگی اس سے بحث کرنا شرائع الٰہیہ کے حلقے سے خارج ہے۔

درسِ حدیث

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

جماعتِ حقہ میں فساد پیدا کرنے والے لیڈر

عن حذيفة قال: واللّٰه ما أدرى أنَسِيَ أصحابى أم تناسوا. واللّٰه ما ترك رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من قائد فتنةٍ إلى أن تنقضى الدنيا يبلغ مَن معه ثلاث مائة فصاعداً إلاّ قد سماهُ لنا باسمهٖ، و اسم أبيهٖ، و اسم قبيلته.

(مشكوٰة، كتاب الفتن، الفصل الثانى)

ترجمہ: ''حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: قسم اللہ کی! مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھی بھول گئے یا غفلت میں گھر گئے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے ختم ہونے تک جتنے بس کی کانٹھ، فسادی رہنما، ایسے جن کے پیرو تین سو یا زیادہ ہوں گے، سب کے نام ان کے باپوں کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام ایک ایک کر کے شمار کروا دیے تھے۔''

کچھ لوگ باتیں بنانے میں ایسے مشّاق ہو جاتے ہیں کہ زمین و آسمان کے قلابے ملانا، ان کے نزدیک کچھ بات ہی نہیں ہوتی۔ اور طرفہ یہ کہ بعض لوگ چکنی چپڑی باتیں کر کے دوسروں پر اپنا اثر بھی جما لیتے ہیں۔ اب نہیں معلوم کہ یہ باتیں بنانے والے لوگوں کی صفت ہے کہ دوسروں کو اپنے دام میں پھنسا لیتے ہیں یا لوگ ہی کچھ ایسے ناسمجھ ہوتے ہیں کہ خود بخود آ پھنستے ہیں۔ ہماری بول چال میں اسی قسم کے محاورے موجود ہیں، جیسے کسی کو الو بنانا، یا اپنا اُلو سیدھا کرنا وغیرہ، لیکن ان سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس میں اُلو بنانے والے کا قصور ہوتا ہے یا اُلو بن جانے والوں کا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں طرف کا حصہ مساوی ہوتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چالاک لوگ قیامت تک اپنا کام کرتے رہیں گے۔ اور لوگ بھی کم و بیش ان کے جال میں پھنستے رہیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے فسادی لیڈروں کے نام، جن کے ماننے والے کم از کم تین سو ہوں گے، مع ان کے باپوں کے نام اور خاندان کے نشان صاف صاف بتا دیے ہیں، لیکن لوگ یا تو بھول گئے یا دنیا کے مخمصوں میں پھنس کر غافل ہو گئے۔ یہ حدیث بڑی چونکا دینے والی حدیث ہے۔ لوگوں کو اپنا فکر کرنا چاہیے۔ ورنہ فسادی لیڈر رنگ برنگ کے بھیس بدل کر ان سے اپنا مطلب نکال لیں گے۔ اور ان کو مصیبت میں پھنسا کر آپ چلتے بنیں گے۔ ضرورت اس کی ہے کہ قرآن شریف پڑھیں۔ اس کی آیتوں پر غور کریں۔ اور خود غرضیوں سے دور بھاگیں۔

اس حدیث میں ''قائدِ فتنہ'' (فتنہ پرور لیڈر) کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ایسے لیڈر اور رہنما، جو لوگوں کو فتنے اور آزمائش میں مبتلا کر دیں۔ انسانی سوسائٹی میں فتنہ پیدا کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ قرآن حکیم نے کہا ہے: ''وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ'' (191:2) (فتنہ پیدا کرنا کسی انسان کو قتل کرنے سے زیادہ بڑا ہے۔) کیوں کہ فتنہ اور فساد سے انسانیت کے سیاسی اور معاشی حقوق سلب ہوتے ہیں۔ سوسائٹی کا امن جاتا رہتا ہے۔ معاشی استحصال کا راستہ صاف ہوتا ہے۔ ظلم و ستم بڑھ جاتا ہے۔ قوموں کی آزادی سلب ہو جاتی ہے۔ فرقہ وارانہ جھگڑے، قبائلی لڑائیاں، برادریوں کی عصبیّتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ گویا کہ سوسائٹی کا مجموعی قتل ہوتا ہے۔ ایسا فتنہ اور فساد پیدا کرنے والے لیڈر اور رہنما انسانیت کے لیے تباہی اور بربادی کا باعث بنتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی سوسائٹی کو لوگوں کے لیے انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا بننے والے ایسے فسادی لیڈروں اور گمراہ قائدوں کی نشان دہی کی ہے۔ تاکہ مسلمان جماعت اُن سے بچ کر امن اور سلامتی کے راستے پر چلنے کی جدوجہد اور کوشش کرے۔

اداریہ

دینی شعور کی درست تفہیم ؛ رکاوٹیں اور سدِ باب

دینی شعور کی درست طور پر تفہیم آج کے دور کا اہم ترین تقاضا ہے۔ خاص طور پر اس حوالے سے غور و فکر کرنا اور شعور و فہم حاصل کرنا کہ انسانی سماج کی اجتماعی تعمیر و تشکیل دینی اصولوں کے مطابق کیوں کر ممکن ہے؟ عصر حاضر کے اہم ترین سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل کے حل کے لیے دینی تعلیم کیا لائحہ عمل پیش کرتی ہے؟ گویا سماجی زندگی کے حوالے سے دینی شعور کی تفہیم ایک ایسی اہم دینی، قومی اور سماجی ضرورت ہے، جس سے کسی طور پر بھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا ہے۔

آج کے اس دور میں یہ اس لیے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ سامراجی تسلط کے نتیجے میں مسلمان ملکوں میں غلامانہ ذہنیت پیدا ہو گئی۔ اور اس سبب سے ان ملکوں میں بہت سے طبقات اور جماعتیں فکری الجھاؤ اور نظریاتی انتشار پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ یہ گروہ اور جماعتیں نوجوانوں میں دین اسلام کی سچی تعلیمات کے حوالے سے بے اعتمادی، بے حوصلگی اور مایوسی و مرعوبیت پیدا کر رہی ہیں۔ حال آں کہ مسلمان ملکوں کے نوجوانوں کے لیے دینی اصولوں پر اپنے قومی سماج کی تشکیل کا فہم و شعور از بس ضروری ہے۔ اس پر غیر متزلزل اعتماد اور یقین ہی ان کو ہر سطح پر آگے بڑھنے میں مدد دیتا ہے، لیکن صد افسوس! کہ کچھ اپنے اور کچھ پرائے ہمارے ملک کے نوجوانوں کو نظریاتی اور عملی حوالے سے ابہامات اور مخمصوں میں مبتلا کرنے کے لیے سرگرداں ہیں۔ ایسے میں لازمی ہو جاتا ہے کہ دینی شعور کی تفہیم اور اس کی بنیاد پر تنظیمی عمل کی جد و جہد کو فکری انتشار اور نظریاتی الجھاؤ کے اس ماحول سے نکالا جائے۔ اور ان میں پُر عزم طریقے سے آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کیا جائے۔ اور مختلف جہتوں سے ہونے والے مخالفانہ حملوں کا توڑ کر کے نوجوان کا حوصلہ بلند کیا جائے۔ اور ان مخالفانہ حملوں سے مرعوب نہ ہونے کے حوالے سے ان کے سامنے اس حقیقت کی نشان دہی کی جائے کہ:

بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!   یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

ہمارے نوجوانوں کو اس حقیقت پر پختہ یقین اور اعتماد ہونا چاہیے کہ دین اسلام کے سچے انسانیت دوست اصولوں پر سماجی تشکیل کے لیے ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہوتی ہے، جو خدائے وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت پر غیر متزلزل یقین و ایمان رکھتی ہو۔ وہ خدائے واحد کے علاوہ کسی طاقت کو خدائی اختیار کی حامل نہ سمجھتی ہو۔ اسی طرح وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ عظیم انقلابی تعلیمات پر پختہ یقین و اذعان رکھتی ہو۔ قرآن حکیم اور وحی الٰہی کی سچی تعلیمات سے سر مو انحراف کو درست نہ سمجھتی ہو۔ نیز وہ صحابہ کرامؓ کی اس عظیم الشان انقلابی جماعت کی عظمت و وقار اور ان کے انقلابی کردار کو معیارِ حق اور اسوۂ حسنہ کے طور پر اپنے پیش نظر رکھتی ہو۔ اسی طرح اپنے تمام انفرادی اور اجتماعی اعمال کی جواب دہی کے لیے آخرت کی سزا و جزا کو حتمی اور یقینی تصور کرتی ہو۔ اور پھر انسانی سماج کی تشکیل کے حوالے سے اِن تمام تر دینی تعلیمات اور مسلمہ اصولوں کا یہ نتیجہ پیدا کرنا لازمی سمجھتی ہو، کہ تمام انسانوں کے لیے بلا تفریق رنگ، نسل، زبان، مذہب، سیاسی اور معاشی حقوق کی ادائیگی کے لیے بہترین اور عدل و انصاف پر مبنی نظام قائم کرے گی۔

گویا دین اسلام کی انقلابی تعلیمات کی حامل جماعت کا ایک دائرہ اس کی اپنی داخلی تربیت اور اجتماعی تنظیم کے لیے مقرر ہے۔ جس پر اس کے تمام افراد کو اپنے اندر تربیتی صلاحیت، تنظیمی مہارت اور اجتماعی طاقت و قوت پیدا کرنی ہے۔ جب کہ دوسرا دائرہ کل انسانیت کے لیے بہترین سیاسی اور معاشی نظام قائم کرنے کے حوالے سے ہے۔ دنیا کی کوئی جماعت اپنے داخلی تربیتی دائرے میں اپنے طے کردہ نصب العین اور مسلمہ اصولوں کو ماننے اور ان پر تربیت حاصل کیے بغیر، کسی فرد کو داخل نہیں کرتی۔ اور نہ ہی اپنے دستور العمل کے طے کردہ مقاصد و اہداف اور نتائج و اثرات سے غافل ہوتی ہے۔ دینی فکر و نظریے پر شعوری تربیت حاصل کرنے والی جماعت اپنی دونوں ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہر ممکن جد و جہد اور کوشش کرتی ہے۔

آج کے دور میں دینی شعور پر درست تنظیمی عمل اور اس کی تفہیم کا لازمی تقاضا ہے کہ اپنے نصب العین، رہنما اصول اور طے کردہ مقاصد و اہداف سے سر مو انحراف نہ کیا جائے۔ اور جو رہنما اصول اور دستور العمل طے کر لیا جائے، اس کے مطابق نظم و ضبط اور ڈسپلن کو برقرار رکھا جائے۔ طے کردہ نصب العین، متعین کردہ دستور العمل اور مقرر کردہ مقاصد و اہداف کو کسی بھی حوالے سے پس پشت ڈال دینا، خواہ کسی بھی عنوان سے ہو، درست نہیں ہے۔ پھر نظریات و افکار کی تفہیم و تنظیم بھی ایک اجتماعی عمل ہے۔ اور وہ ادارہ جاتی سطح پر ہوتا ہے۔ نہ کہ کسی فرد کی انفرادی خواہشات، محض اس کی دماغی اُکساہٹ، اس کی ذہنی انتہا پسندی اور محض صحافتی اُبھار کی بنیاد پر نظریات و افکار کی تشریح کی جائے۔ سامراجی غلبے کے دور میں مبہم عمومی تصورات، انفرادی ذہنی اکساہٹ پر مبنی خود ساختہ تخیلات اور صحافیانہ جگالی پر مبنی عمومی خیالات کو سامنے رکھ کر نظریات گھڑ لینا یا نظریات کا محافظ بننے کا دعویٰ کرنا، فکری انتشار کا باعث بنتا ہے۔

آج کا المیہ یہ ہے کہ کسی شعبے کا کوئی زیادہ تیز طرّار فرد، اپنے انفرادی خیالات کی بنیاد پر خود ساختہ مفکرِ انقلاب اور محافظِ نظریات بن کر سامنے آ جاتا ہے۔ اور چند سر پھرے لوگوں کو گمراہ کر کے الگ جتھہ بنا کر کام شروع کر دیتا ہے۔ اور ایک تسلسل سے آنے والے تجربہ شدہ افکار و نظریات اور دین کی تفہیم کے اجتماعی اور عملی انداز و اسلوب کو خیر باد کہہ کر شخصی تصورات کے تابع ہو جاتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ گواہ ہے کہ سامراجی ایجنسیوں نے ایسے ہی خود ساختہ سماجی مفکرین، داعیین انقلاب اور اسلام پسند رہنما پیدا کیے ہیں۔ یہاں تک کہ انگریزوں کے قائم کردہ نظام نے اس خطے میں خود ساختہ نبی بھی پیدا کیے ہیں۔ اور وحدتِ انسانیت کے نام پر ''مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں'' لینے کی دعوت دینے والے بھی پیدا کیے ہیں۔ ان لوگوں کا یہی المیہ ہوتا ہے کہ وہ اجتماعی تسلسل پر مبنی دین اسلام کی سچی تعلیمات کے حامل علمائے ربانیین، مشائخ کرام اور رہنمایانِ قوم کی اتباع کرنے سے انحراف کرتے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور انسانیت کی گمراہی کا سبب بھی بنتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ، امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور قطب الارشاد مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ برِ عظیم پاک و ہند میں جماعتِ حقہ کا ایک ایسا تسلسل رکھتے ہیں، جن کے فکر و عمل نے افکار و نظریات اور اجتماعی اعمال اور سماجی کردار کا تعین کر دیا ہے۔

ان حضرات نے جماعت بندی و تنظیم سازی کے ایسے دینی فہم و شعور کا دروازہ کھولا ہے، جو اس خطے میں دین اسلام کی سماجی تعمیر و تشکیل کے حوالے سے رہنمائی کے بنیادی دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان حضرات نے وحدتِ انسانیت اور قومی بنیادوں پر سماجی تشکیل کے نظریاتی اور عملی پہلوؤں کی واضح نشان دہی کی ہے۔ اور دینی فکر کی بنیاد پر سماجی تشکیل کے بنیادی کردار کا تعین کیا ہے۔ ان کے طے کردہ اصولوں، نظریات و افکار، عملی تشریح اور اجتماعی کردار سے روگردانی دراصل فکری الجھاؤ کا باعث ہے۔ اس دور میں ان حضرات کے فکر و عمل کے فہم و شعور کے لیے کوشش کرنا، اور اس کی بنیاد پر اپنے اندر نظم و ضبط اور ڈسپلن پیدا کرنا کامیابی کی کلید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

(مدیر اعلیٰ)

rahimia.org

خطبہ جمعۃ المبارک

مسلمان جماعت کا طریقۂ تربیت اور اس کے فرائض اور ذمہ داریاں

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب

(مؤرخہ 26 نومبر 2010ء، بمقام ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور) ضبط و تحریر: خرم شہزاد

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم، امّا بعد: قال اللہ تعالیٰ:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (200:3)

معزز دوستو! دین اسلام کی سچی تعلیمات انسانیت کی کامیابی کی ضامن ہیں۔ اور اس کے لیے دین اسلام ایک ایسی سچی جماعت تیار کرتا ہے، جو اس کے فکر و نظریے کی حامل اور اس کے غلبے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرتی ہو۔ کتابِ مقدس قرآن حکیم اور نبی اکرمؐ کی احادیث ِمبارکہ انسانی زندگی کی تعلیم و تربیت کے لیے واضح ہدایات اور رہنمائی دیتی ہیں۔ ان ہدایات کا بنیادی ہدف محض فرد نہیں ہوتا، بلکہ دراصل جماعت کی تشکیل ہوتی ہے۔ جماعتی طاقت کے بغیر دنیا میں کسی فکر اور نظریے کا عملاً اطلاق ممکن نہیں ہے۔ مسلمان ایک جماعت ہے، جو دین اسلام کی سچی تعلیمات کی حامل ہے۔ اس کے نظریات و افکار کو اپنے دل و دماغ میں پیوست کرنے والی ہے۔ اور پھر فکر اور نظریے کو دنیا میں غالب کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ بالفاظِ دیگر مسلمان جماعت پہلے خود دین اسلام کے سچے افکار و نظریات پر تربیت حاصل کرتی ہے۔ اپنے اندر مطلوبہ صلاحیتیں اور مہارتیں پیدا کرتی ہے۔ اور انسانیت کے لیے جو کچھ اس نے کرنا ہے، ان اہداف و نظریات کو پیشِ نظر رکھ کر آگے بڑھتی ہے۔

دین اسلام کی تعلیمات نے مسلمان جماعت کی داخلی تربیت کے نظام کی وضاحت کی ہے۔ اور اس نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے جو کام کرنے ہیں، اس کے دائرۂ کار کی وضاحت بھی کی ہے۔ دنیا میں ہر جماعت ہر دو دائرۂ کار کے اندر رہ کر تربیت اور نتائج کے حصول کے دونوں مراحل طے کرتی ہے۔ کہ داخلی طور پر اسے کن کن اُمور کو پیشِ نظر رکھنا ہے۔ اپنے اندر کون سی مہارتیں پیدا کرنی ہیں، اور اپنے لیے کون سی صلاحیتیں حاصل کرنی ہیں، اور خارجی طور پر اس نے دیگر انسانوں کے لیے کیا کیا اقدامات کرنے ہیں، ان میں اس کے کیا نتائج پیدا ہونے چاہئیں؟ دونوں دائرے اپنی اپنی جگہ پر واضح اور دوٹوک ہوتے ہیں۔ ایک کو دوسرے میں گڈمڈ نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی دونوں میں علاحدگی کی جاسکتی ہے۔ ایک دائرے کے اُمور کو دوسرے دائرے میں داخل اور مسلط کرنا یا دوسرے شعبے یا دائرے کے اُمور کو پہلے شعبے میں داخل کرنا، کوئی درست عمل قرار نہیں دیا جاتا۔ دنیا میں کہیں بھی ایسا نہیں ہوتا کہ جو جماعت جن مقاصد و اَہداف کے لیے کام کر رہی ہو، ان کے یہ دونوں دائرے آپس میں گڈمڈ اور خلط ملط کر دیے جائیں۔

مسلمان جماعت کی داخلی تربیت کے لیے اس کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ کہ وہ کلمہ طیبہ "لاإلٰہ إلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کو تسلیم کرے۔ مسلمان جماعت کے دائرے کے داخلے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر اللہ کی وحدانیت پر پختہ یقین و اذعان پیدا کرے۔ اللہ کے علاوہ کوئی اور خدائی اختیارات کا مالک نہیں ہے، اس بات کو دل و دماغ میں راسخ کرے۔ اللہ کی محبت اور عظمت، اس کی ہیبت و جلال، اس کے ساتھ چاہت اور محبت کا تعلق اس کے اندر پیدا ہو۔ اس کی تعظیم و عظمت اس کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو۔ اسی کے ساتھ مسلمان جماعت کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ محمد رسول اللہؐ کو آخری نبی تسلیم کرے، اللہ کا آخری رسول مانے۔ اور رسول کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تعلیمات حتمی اور قطعی ہیں۔ اس نے جو حکم دے دیا، جن باتوں سے منع کر دیا، وہ حتمی اور قطعی ہیں۔ اس میں کسی قسم کا کوئی ردوبدل ممکن نہیں۔ اللہ کے رسول کی رسالت پر ایمان لانے کا مطلب اس کے بتلائے ہوئے فکر اور نظریے، اس کے قائم کیے ہوئے عملی نظام کا پختہ یقین، اس پر مکمل اعتماد کرنا ہے۔ اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ محمد رسول اللہؐ کی قائم کردہ اجتماعیت، آپؐ کی تیار کردہ جماعتِ صحابہؓ اور اس کے برپا کیے ہوئے انقلاب کی عظمت اور اہمیت کا پیدا ہونا بھی لازمی اور حتمی ہے۔ جو فرد اور جماعت صحابہؓ کی اجتماعیت اور ان کے برپا کیے ہوئے انقلاب کی عظمت اور اس کے معیار ہونے کی قائل نہیں، وہ دراصل رسالت کی بھی منکر ہے۔ گویا وہ رسولؐ کو نہیں مانتی۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کے ذریعے سے انقلاب برپا کیا۔ اگر کوئی فرد اس جماعت کی اجتماعیت کا انکار کرے، اور پھر رسولؐ کی رسالت کو تسلیم کرنے کا دعوے دار ہو، یہ کیسے درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، جنھوں نے یہ بات ارشاد فرمائی: "اللّٰہ اللّٰہ فی أصحابی"۔ (خبردار! اللہ سے ڈرو، میرے صحابہؓ کے بارے میں) "لاتتخذواھم من بعدی غرضا"۔ (میرے بعد انھیں تنقید کا ہدف اور نشانہ نہ بنانا!) "لاتتخذواھم" (مت بناؤ اُن صحابہ کو تنقید کا نشانہ) جنھوں نے میری رسالت کی تکمیل کے لیے مجھ پر جان قربان کر دی۔ جن کی اجتماعی طاقت اور قوت سے دین اسلام کے غلبے کا عالمی نظام قائم ہوا۔ انھیں کبھی ہدفِ تنقید مت بنانا۔ اور پھر دوٹوک اور قطعی طور پر نبیؐ نے فرمایا: "فمن أحبّھم فبحبّی أحبّھم و من أبغضھم فببغضی أبغضھم"۔ (جو ان سے محبت کرے گا، اس کو گویا مجھ سے محبت ہے۔ جو ان سے بغض اور عداوت رکھے گا، گویا کہ مجھ سے بغض اور عداوت رکھے گا۔) دوٹوک اور قطعی حکم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دیا۔ اب صحابہؓ کی اجتماعیت کا انکار کرنا اور رسول اللہؐ کی رسالت کا اقرار کرنا، اس حدیث کی روشنی میں بالکل واضح ہو گیا، کہ یہ مضحکہ خیز بات ہے۔

جیسے اللہ کو اس وقت تک نہیں مانا جاسکتا، جب تک رسول اللہ کو نہ مانا جائے۔ جو اپنے دور کے رسول کو تسلیم نہیں کرتا، گویا وہ اللہ کا منکر ہے۔ اللہ نے اس دور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا۔ اور وہ محمدؐ کی رسالت کو نہیں مانتا۔ تو وہ اللہ کو کیا مانے گا؟ وہ اللہ کو خواہ کسی بھی عنوان سے ماننے کا دعوے دار ہو، وہ گویا کہ خدا کا منکر ہے۔ ایسے ہی رسول اللہ کو ماننے کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ کی جو جماعت ہے، جس کی وجہ سے محمد رسول اللہ کی رسالت کی تکمیل ہوتی ہے، اس جماعتِ صحابہ کو بھی حتمی اور قطعی طور پر مانے، اور جماعتِ صحابہؓ کے اجتماعی فیصلوں کو تسلیم کیا جائے۔ ان کے بنائے ہوئے نظام کو، ان کے قائم کردہ سسٹم کو مجموعی طور پر اپنی زندگی کا حصہ بنانے کے لیے بطورِ معیار اپنے سامنے رکھے۔ مسلمان جماعت کے داخلی نظام کے لیے یہ لازمی اور بنیادی شرائط ہیں۔

ایسے ہی اس جماعت پر یہ لازمی ہے کہ وہ موت کے بعد حشر اور اس کے بعد کے معاملات، جو انسانی نفس کو ضرور پیش آنے ہیں۔ ان پر ایسا ہی ایمان اور یقین رکھتا ہے، جیسے سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کا یقین ہوتا ہے۔ یہ اس کی ایمانیات کے داخلی نظام کا حصہ ہے۔ اسی طریقے سے اس کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ کتابِ مقدس قرآن حکیم، جو رسول اللہؐ کے قلبِ اطہر پر نازل ہوئی، اُس کتاب پر یقین رکھنا، اس پر ایمان لانا، یہ بھی اس کے داخلی نظام کے لیے ضروری ہے۔ یہ اس کے داخلی تربیت کے بنیادی اُمور ہیں۔ اور پھر اسی کے ذیل میں تمام عبادات، جو اللہ اور اس کے رسول نے فرض کی ہیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ انسانیت کے لیے عدل و انصاف کا نظام قائم کرنا، ظلم سے انھیں نجات دلانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام وہ بنیادی افکار و نظریات یا عبادات اور ذمہ داریاں ہیں، جو مسلمان جماعت کو اپنے داخلی دائرے کے اندر اپنانی ہیں۔ اسے ان تمام مراحل کی تربیت سے گزرنا ہے۔ نماز کی تربیت، روزے کے تربیتی مراحل سے، زکوٰۃ کے تربیتی عمل سے۔ حج بیت اللہ اگر فرض ہے تو مناسکِ حج ادا کر کے، اس کی

فرضیت کے تربیتی مراحل سے گزرنا ہے۔ یہ اس کی داخلی تربیت کے بنیادی اُمور ہیں۔ ان تربیتی اُمور پر عمل کرنے سے اب جماعتِ حقّہ تیار ہوکر سامنے آتی ہے۔

اس تیار شدہ جماعت کو انسانیت کے لیے کیا کام کرنا ہے؟ کیا اہداف ہیں؟ کیا کرے گی یہ جماعت؟ اس کے لیے قرآن حکیم نے طے کردیا کہ نبی اکرمؐ اور ان کی جماعت پوری انسانیت کے نفع کے لیے کردار ادا کرے گی: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (110:3) تم بہترین جماعت ہو۔ اور تمہارا بنیادی ہدف یہ ہے کہ تربیت حاصل کرلینے کے بعد اس کرۂ ارض پر تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تمام انسانیت کو بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب ان کے انسانی حقوق کی ادائیگی کے لیے تمہیں اپنا جماعتی کردار ادا کرنا ہے۔ کوئی کالا ہو، گورا ہو، مشرقی ہو، مغربی ہو، کسی زبان، کسی تہذیب، کسی کلچر، کسی مذہب سے تعلق رکھے، وہ انسان ہے۔ اس کے انسانی حقوق پورا کرنا تم پر لازمی ہے۔

سماجی سطح پر اگر انسانیت کے حقوق کا جائزہ لیا جائے تو دو بنیادی حق ایسے ہیں، جو پوری انسانیت کے لیے ہیں: (1) ایک یہ کہ سوسائٹی کی سیاسی تشکیل کے حوالے سے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب، امن کا نظام قائم کرنا ہے۔ ہر انسان کی جان، مال، عزت آبرو، پُرامن طریقے سے محفوظ ہونی چاہیے۔ اس میں نسلی امتیاز، طبقاتی امتیاز، عقیدے کا امتیاز، رنگ نسل کا امتیاز، زبان اور تہذیب و کلچر کا امتیاز قطعاً قابلِ برداشت نہیں ہے۔ انسانی بنیاد پر تمام انسانوں کے لیے امن ضروری ہے۔ اس امن کے تحفظ کے لیے یہ جماعت کردار ادا کرے گی۔ (2) دوسرے یہ کہ انسانوں کی سب سے بڑی بنیادی ضرورت، ان کی معاشی احتیاجات کی تسکین کرنا ہے، معاشی وسائل کے ذریعے سے ان کی بھوک دور کرنا ہے۔ ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کرنا ہے۔ اس معاشی نقطہ نگاہ سے اس جماعت پر یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لیے بلاتفریق رنگ، نسل اور مذہب کے معاشی حقوق کی ادائیگی کا عدل و مساوات پر مبنی نظام قائم کرے گی۔ کوئی بھوکا، کوئی محتاج ہو، اس کی نسلی شناخت، کوئی فرقہ وارانہ امتیاز، عقیدے کا کوئی اختلاف، زبان اور تہذیب کا کوئی اختلاف پیشِ نظر نہیں رکھا جائے گا۔ اس حوالے سے تمام انسان برابر ہیں۔ ان کے معاشی حقوق کی ادائیگی کے لیے اس جماعت کو کردار ادا کرنا ہے۔

یہ دو بڑے بنیادی فرائض اس سچی جماعت کے ہیں۔ یہ اس جماعت کی عملی ذمہ داری ہے کہ تربیت حاصل کرنے کے بعد اس نے یہ بنیادی اقدامات کرنے ہیں۔ عدل و انصاف کا نظام قائم کرنا ہے۔ یہ اس کی ضرورت ہے۔ اور اگر یہ اپنے ان فرائض میں غفلت برتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ کی مخلوق کے حقوق پورے نہ کرنے کی وجہ سے اللہ، اس کے رسولؐ، اس کی تربیت یافتہ جماعتِ صحابہؓ کو بھی ناراض کیا، یہ اللہ اور رسول اللہ کو ماننے کا کیسا دعوے دار ہے؟ یہ جماعتِ صحابہؓ کو معیارِ حق ماننے کا کیسا دعوے دار ہے؟ یہ آخرت کی فکر اور کتاب اللہ کو ماننے کا دعویٰ کیسے کرتا ہے؟ ان باتوں کو ماننے کا لازمی نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ یہ انسانیت کے لیے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب، سیاسی حوالے سے پُرامن نظام قائم کرے۔ اور معاشی حوالے سے عدل و مساوات پر مبنی نظام قائم کرے۔ اگر یہ دونوں کام نہیں کیے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنی تربیت کے بنیادی اُمور کو صحیح طور پر قبول نہیں کیا۔ اور اس نے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو درست طور پر پورا نہیں کیا۔ مسلمان جماعت کی تربیت کے داخلی تربیتی دائرے اور خارجی عملی دائرے کے فرائض اور ذمہ داریوں کے حوالے سے یہ بات بڑی واضح ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی الجھاؤ اور ابہام نہیں ہے۔

> نظریاتی گمراہی اور ذہنی طور پر انتشار میں مبتلا کرنے کے لیے بہت سے حربے اختیار کیے جاتے ہیں۔ ''اسلام'' کا نام لے کر ہی فرقے بنادیے جائیں، ''وحدتِ انسانیت'' کا عنوان لے کر انسانیت کو پارہ پارہ کیا جائے، ''امن'' اور ''سیاست'' کا نام لے کر ہی بدامنی اور ظلم پیدا کردیا جائے، ''معاشی عدل وانصاف'' کا نام لے کر ہی لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالا جائے، ''اَخلاقِ اربعہ'' کو عنوان بنا کر ہی بداَخلاقی کے مظاہرے کیے جائیں، ''نظریات'' کا لفظ بول کر ہی confusions اور فکری الجھاؤ پیدا کردیا جائے، یہ سب سامراجی حربے ہیں۔

دنیا میں کسی کام کے لیے جب بھی کوئی جماعت تیار کی جاتی ہے تو اس جماعت کے کام کرنے کے لیے یہ دو دائرے بنیادی طور پر طے کیے جاتے ہیں۔ کوئی جماعت ان دائروں سے خارج نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر انسانی جسم کے امراض کے لیے ہمیں ڈاکٹروں کی ٹیم چاہیے۔ اس کے لیے ہم ہیلتھ کا محکمہ قائم کرتے ہیں۔ میڈیکل کالجز کھولے جاتے ہیں۔ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم بنائی جاتی ہے۔ اب اس جماعت کے دو دائرے ہیں: ایک دائرہ داخلی ہے۔ کہ وہ طبی علوم کی تربیت حاصل کرتی ہے۔ چار پانچ سال میں وہ جماعت انسانی جسم کی مکمل ساخت یعنی Physiology معلوم کرتی ہے۔ اس جماعت کو ان تربیتی مراحل کے لیے ذہنی، دماغی اور جسمانی مشقت کرنی ہے۔ اس جماعت کے لیے ضروری ہے کہ چار پانچ سال مسلسل پڑھ کر اور محنت کرکے، انسانی جسم کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرے۔ اور اس کے امراض سمجھنے کی کوشش کرے۔ کہ انسانی جسم کو کون کون سے امراض لاحق ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح اسے یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ انسانی جسم کے امراض کے لیے کون کون سی ادویات ہیں۔ ادویات کا باہمی تعلق کیا ہے؟ کس مرض کے لیے کون سی ادویات ہیں؟ پھر انسانی جسم میں اگر سرجری کی ضرورت پیش آتی ہے تو سرجری کیسے کی جائے؟ اس کا طریقۂ کار اسے معلوم کرنا ہے۔ میڈیکل کی مخصوص اصطلاحات کے ماحول اور دائرے کے اندر رہتے ہوئے چار پانچ سال کی محنت کرنی ہے۔ اور اس تربیت کے اپنے سسٹمز ہیں۔ اپنے طریقۂ کار ہیں۔ اپنی ایک Language ہے۔ ایک خاص انداز و اسلوب ہے۔ اور اس ماحول میں رہتے ہوئے اسے تربیت حاصل کرنی ہے۔ اب یہ اس کی داخلی تربیت کے بنیادی اُمور ہیں۔ کوئی ڈاکٹر اس وقت تک ڈاکٹر نہیں بن سکتا، اور نہ ہی ڈاکٹروں کی جماعت میں داخل ہوسکتا ہے، جب تک کہ وہ انسانی جسم کے بارے میں واقفیت نہ رکھتا ہو۔ ادویات پر اسے پختہ یقین نہ ہو کہ یہ دوائی فلاں مرض کے لیے قطعی طور پر فائدہ مند ہے۔ اگر اس کو اپنے کام پر اعتماد نہ ہو، اپنے شعبے کی عزت و احترام اس کے اندر نہ ہو، اپنے شعبے میں مہارت اور صلاحیت اس کے اندر نہ پیدا ہو، تو کیسے ڈاکٹر بنے گا؟ یہ اس کی داخلی ذمہ داری ہے۔

اور جب تعلیم مکمل کرکے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم تیار ہوجائے گی، تو اس ٹیم کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اس نے کیا کرنا ہے؟ کیا صرف مخصوص نسل کے لوگوں کا علاج کرنا ہے۔ مخصوص مذہب کے لوگوں کا علاج کرنا ہے۔ مخصوص زبان بولنے والے لوگوں کا علاج کرنا ہے۔ نہیں! اس کا شعبۂ طب تقاضا کرتا ہے کہ اس کے پاس کوئی بھی انسان آجائے: کالا ہو، گورا ہو، مشرقی ہو، مغربی ہو، کسی زبان، کسی تہذیب، کسی مذہب کا ہو، اسے Merit پر انسانی جسم کو دیکھنا ہے کہ اس میں مرض کیا ہے؟ اور اس مرض کا طبی طور پر کیا علاج ہے؟ ہر ممکن حد تک اس کے جسم کو بچانے لیے اسے کیا اقدامات کرنے ہیں؟ اس کے دل کے آپریشن کی ضرورت ہے تو کیا پہلے یہ پوچھا جائے گا کہ اس کا دل کافر ہے یا مسلمان ہے؟ یہ ہندو ہے؟ یہودی ہے؟ عیسائی ہے؟ کس نسل سے ہے؟ کون سی زبان بولتا ہے؟ نہیں! اسے تمام انسانوں کا علاج کرنا ہے، لیکن یہ

rahimia.org

اس کا دوسرا دائرہ ہے۔ ایک دائرہ اس کی داخلی تربیت کا ہے۔ کوئی آدمی ڈاکٹروں کی ٹیم میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ ڈاکٹروں سے متعلقہ جو تربیتی اُمور ہیں، ان کو قبول نہ کرلے۔ اب اگر کہا جائے کہ کوئی انسان، انسانوں کا علاج کرنا چاہتا ہے، وہ ڈاکٹر تو اگرچہ نہیں ہے، لیکن انسانیت کے لیے بڑی ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہے، ان کو دوائیاں دینا چاہتا ہے۔ اس لیے اس آدمی کو جس نے ڈاکٹری کا کورس نہیں کیا، اسے ڈاکٹروں کی ٹیم میں شامل کرو؟ غیر معقول بات ہے۔ کیا دنیا میں کہیں ایسا ممکن ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ نرس ہے۔ خدمت کررہی ہے نا، ڈاکٹر کے ساتھ تعاون کررہی ہے۔ لیکن اس کا بھی اسے کورس کرنا پڑے گا۔ مثلاً کمپاؤڈر ہے، اس نے انسانی خدمت کے اس درجے کی تعلیم حاصل کی ہے۔ تو اسے اس درجے کے دائرے تک رکھا جائے گا، نہ یہ کہ وہ ڈاکٹروں کی ٹیم کا حصہ بن جائے گا۔ ایک کے دائرے کو دوسرے کے دائرے میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اگر ڈاکٹر صاحب کہیں کہ چوں کہ میں نے تمام انسانوں کا علاج کرنا ہے، اور میں نے جو چار سال، میڈیکل کالج میں انسانی جسم کی Physiology پڑھی ہے، میں نے جو ادویات کے تعلقات پڑھے ہیں، یہ مریض آج آگیا ہے، تو پہلے یہ میری چار سال کی تعلیم پڑھے۔ اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ گردہ کیا ہے؟ پھر میں اس کے گردے کا علاج کروں گا۔ اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ دل کیا ہے؟ پھر میں اس کے دل کا علاج کروں گا۔ تو یہ غیر دانش مندانہ بات ہے۔ اپنی داخلی تربیت کے دائرے کو خارجی سطح کے امور اور ذمہ داریوں پر مسلط کرنا، اور خارجی سطح کے تعلقات اور دائرے کے امور کو داخلی تربیتی امور اور اس کے جماعتی نظام میں داخل کرنا، دونوں باتیں غلط ہیں۔

مسلمان جماعت یہ کہے کہ ہم انسانوں کے مسائل تب حل کریں گے، یا انسانیت کو امن اور جان مال، عزت آبرو کا تحفظ تب دی جائیں گی، اور ان کے لیے معاشی خوش حالی کا نظام تب قائم کیا جائے گا، جب وہ تمام انسان کلمہ پڑھیں، میری طرح نمازیں پڑھیں، میری طرح روزہ رکھیں، حج کریں، تو غلط بات ہے۔ یہ تمام امور تو مسلمان کی داخلی تربیت کا حصہ ہیں۔ اس تربیتی حصے کو تمام لوگوں پر جبری طور پر مسلط کرنا درست نہیں۔ ان امور کی دعوت تو دی جائے گی، کہ سارے انسانوں سے کہا جائے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو مانیں، اور دیگر امور سرانجام دیں، لیکن امن دینے کے لیے، معاشی خوش حالی کے لیے یہ لازمی قرار دیا جائے کہ وہ کلمہ کیوں نہیں پڑھتے؟ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ حج کیوں نہیں کرتے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ایسا کرنا درست نہیں۔ یہ مسلمان جماعت کے تربیتی نظام اور فرائض اور ذمہ داریوں کا حصہ نہیں۔ اسی طرح سے جب ایک مسلمان جماعت نے عبادات کے ذریعے سے اللہ پر یقین اور اعتماد کے بنیادی امور پر تربیت حاصل کی، اب یہ کہے کہ یہ جو میری داخلی تربیت کے اُمور تھے، ان کو تمام انسان تسلیم کریں تو پھر ان کے سیاسی اور معاشی حقوق ادا کیے جائیں گے، ایسا کرنا درست نہیں!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ واقعہ ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ وہ انسانوں کے کھانے کا بندوبست کرتے ہیں۔ ان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے۔ ایک دفعہ کوئی مہمان نہیں آیا۔ کافی انتظار کے بعد ایک بوڑھا آیا۔ اس کو کھانے پر بٹھالیا۔ اور اس سے کہا: بسم اللہ پڑھو! اس نے کہا: میں تو اللہ کو نہیں مانتا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس سے کہا: دسترخوان سے اٹھ جاؤ۔ تو اللہ نے ان سے کہا: عجیب بات ہے، جس بندے کو 80، 90 سال بڑھاپے کی حالت تک میں نے پہنچایا، وہ مجھے نہیں مانتا تھا، میں نے اسے رزق دیا۔ تو اسے ایک وقت کا کھانا بھی نہ دے سکا۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے توبہ اور استغفار کی۔ اور اس بوڑھے کو کھانے کے لیے تلاش کرتے رہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق مسلمان جماعت کی یہ ذمہ داری ہے کہ بھوک مٹانے میں، امن قائم کرنے میں، انسانی مسائل حل کرنے میں، کسی عقیدے اور نسل کا اختلاف اور امتیاز سامنے نہیں آنا چاہیے۔ یہ تمہارے فرائض اور ذمہ داریاں ہیں۔ لیکن یہ کہاں لازم آگیا کہ وہ بوڑھا، جو اللہ کو نہیں مانتا، یہ ابراہیمؑ کی جماعت کے مرکزی نظام کا حصہ بن جائے۔ اس واقعے سے یہ بات کیسے لازم آگئی کہ چوں کہ اس بوڑھے کو کھانا کھلانا ضروری ہے، اس کو امن دینا ضروری ہے، لہٰذا آج کے بعد ابراہیمؑ اور وہ بوڑھا اپنے اجتماعی نظام میں برابر ہوگئے۔ وہ ایک پارٹی کے مساوی رکن بن گئے۔

دنیا میں ہر جماعت کے دو دائرے ہوتے ہیں: لا اینڈ آرڈر قائم کرنے کے لیے پبلک ایڈمنسٹریشن پر مبنی ایک جماعت تیار کی جاتی ہے۔ ہر تحصیل، ضلع، صوبے اور اوپر تک، انسانی سسٹم کو کنٹرول کرنے، امن و امان قائم کرنے کے لیے ایک تربیت یافتہ جماعت کی ضرورت ہوتی ہے، کہ پبلک کو کیسے کنٹرول کرنا ہے؟ اس کے امور کیا ہوتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ سول سروس اکیڈمی میں چند سال انھیں تربیت دی جاتی ہے، تب جا کر ان کی ذمہ داریاں ان کے سپرد کی جاتی ہیں۔ ایک ان کی داخلی تربیت کا نظام اور اس کے امور ہیں۔ اس میں بہت سارے بنیادی امور ہیں: انسانی اجتماعات کے بارے میں واقفیت، اجتماعات کی نفسیات سے آگہی، اور پھر ان کے باہمی تعلقاتِ کار کے معاملات ہیں، لا اینڈ آرڈر کے مسائل ہیں، وغیرہ وغیرہ امور پر انھیں تربیت دی جاتی ہے۔ یہ ان کی داخلی تربیت کا معاملہ ہے۔ اور خارجی ذمہ داری کیا ہوگی؟ کہ جب ان کی پوسٹنگ کسی جگہ پر ہوگی تو وہ اپنے علاقے میں، اپنے اس علم اور تربیت کا بنیادی نتیجہ یہ پیدا کریں گے کہ تمام انسانوں کے لیے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب امن و امان قائم کریں۔ اور ان کی جان مال کا تحفظ کریں۔ انسانی خدمات کے قانون کی بالادستی کے لیے کام کریں۔ انھیں اس خطے اور علاقے کے تمام انسانوں کے انسانی مسائل، انسانی بنیادوں پر حل کرنے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ جو تربیتی کورس کرکے آئے ہیں، وہ سب لوگوں کو پڑھائیں۔ جو کچھ انھوں نے وہاں تربیت حاصل کی ہے، وہ سب ان کو سمجھائیں، پھر تو امن قائم کریں گے، ورنہ نہیں۔ یہ کیا بات ہے؟ ان کی داخلی تربیت کے بنیادی امور ان تک محدود ہیں۔ اور امن و امان قائم کرنا ان کی خارجی ذمہ داری ہے۔ اب اُس دائرے کو اِدھر ملا دینا، اور اِس دائرے کو اُدھر ملا دینا غلط بات ہے۔

اسی لیے حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بڑی اہم بات کی ہے۔ کہ حقوق و فرائض ہر ہر دائرے کے سمجھنا، اور اسی کے مطابق انسانوں کے ساتھ معاملات کرنے کا نام ہی دینی اور سیاسی شعور ہے۔ سیاست کسے کہتے ہیں؟ سیاسی شعور کیا ہے؟ دینی فقاہت اور سمجھ کیا ہے؟ دینی شعور کسے کہتے ہیں؟ ایک مجتہد جب اجتہاد کرتا ہے تو اس کے اجتہاد کے بنیادی اُمور اور تقاضے کیا ہیں؟ وہ یہی ہیں کہ وہ اپنے گردوپیش کے حالات و حقائق کو سامنے رکھ کر، ذمہ داریوں اور فرائض کے دائروں کو سمجھتا ہے۔ اور اس کے مطابق اقدامات کرتا ہے۔ ایک دائرے اور ذمہ داری کو دوسرے دائرے کے اندر داخل کردینا، یہ سیاسی شعور کے فقدان کی سب سے بڑی علامت ہے۔ وکیل کا اپنا ایک دائرہ ہے۔ اور جج کا اپنا ایک دائرہ ہے۔ ایک مفتی کے فتوے اور قاضی کی قضا کے درمیان بڑا بنیادی فرق ہے۔ اُن دونوں کو آپس میں mix-up کردینا، غلط بات ہے۔ دنیا میں ہر ہر دائرے کے جو بنیادی اُمور ہیں، ان کو سمجھ کر اس دائرے کے مطابق اقدامات کرنے سے نظام چلتے ہیں۔ اس کے مطابق ذمہ داریوں کو نبھانا، اس کے مطابق جدوجہد اور کوشش کرنا۔ سیاسی شعور اور اس کے سسٹم کو سمجھنے سے عبارت ہے۔ اور اگر دائروں کو mix-up کردیا جائے تو سوائے الجھاؤ کے اور کچھ نہیں۔ جتنی مرضی لفاظی کرلیں، لیکن اگر دائروں کے بنیادی امور نہیں سمجھے، تو اس کا مطلب یہ کہ سیاسی اور اقتصادی شعور ختم ہوگیا ہے۔ آپ دیکھیے کہ یہی سیاسی اور معاشی شعور، جو اس دور کی ولی اللّٰہی جماعت کی خصوصیت ہے۔

بقیہ صفحہ 8 پر

وفیات

مہتمم دارالعلوم دیو بند کا سانحۂ ارتحال

مفتی عبدالخالق آزاد

یہ افسوس ناک خبر نہایت قلق کے ساتھ سنی گئی کہ مہتمم دارالعلوم دیو بند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوری مؤرخہ 08 دسمبر 2010ء/ یکم محرم الحرام 1432ھ کو اپنے آبائی شہر بجنور میں قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے۔ اسی روز ان کا جنازہ دیو بند لایا گیا۔ اور رات ساڑے دس بجے مقبرہ قاسمی میں ان کی تدفین ہوئی۔ إنا للّٰه و إنا إليه راجعون۔ حضرت مولانا موصوف حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دارالعلوم دیو بند کے مہتمم بنے تھے۔ اور تقریباً تیس سال دارالعلوم دیو بند کے مہتمم رہے۔ موصوف انتہائی نیک سیرت اور بہترین منتظم تھے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ سخاوت اور دریا دلی بھی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اخلاص اور للّٰہیت کا یہ عالم تھا کہ دارالعلوم دیو بند کے اہتمام کے اس پورے عرصے میں انھوں نے دارالعلوم سے کوئی تنخواہ نہیں لی۔ بلکہ اس کے جس کمرے میں قیام فرما رہے، اس کا کرایہ ادا کرتے رہے۔ اور اس قیام کے عرصے میں اپنے کھانے اور دیگر ضروریات و اخراجات بھی اپنی ذاتی جیب سے ادا کرتے رہے۔ حتیٰ کہ دارالعلوم کے وہ ذہین طلبا، جن کا کسی وجہ سے کھانا بند ہو جاتا تو ان کے کھانے کا بندوبست بھی اپنی جیب سے کرتے تھے۔

حضرت مولانا مرحوم کا تعلق مشائخ رائے پور کے ساتھ انتہائی گہرا اور مخلصانہ تھا۔ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ کا جب بھی رائے پور (انڈیا) کا سفر ہوا تو آپؒ بنفس نفیس اساتذۂ دارالعلوم دیو بند کے ہمراہ رائے پور تشریف لاتے۔ اور حضرتؒ کی صحبت میں قیام فرما ہوتے۔ 1988ء کے سفر میں بار ہا حضرتؒ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے لیے تشریف لاتے رہے۔ 1992ء میں حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ کے وصال کے بعد رائے پور تشریف لائے۔ اور راقم السطور سے فرمایا کہ: ”حضرت کے حالاتِ زندگی پر مضمون لکھ کر دو، تاکہ رسالہ ”دارالعلوم دیو بند“ میں اسے شائع کیا جائے۔“ چناں چہ راقم نے خانقاہ میں قیام کے دوران ہی حضرتؒ کے حالاتِ زندگی پر ایک مختصر مضمون لکھا۔ جو رسالہ ”دارالعلوم دیو بند“ میں چھپا۔ اور پھر اس کے وفیات نمبر میں بھی دوبارہ اشاعت پذیر ہوا۔

اسی طرح موجودہ مسند نشین رائے پور حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ سے بھی آپ کا گہرا تعلق تھا۔ جب بھی حضرت کا رائے پور اور ہندوستان کا سفر ہوتا تو حضرت مولاناؒ سے ملاقات ہوتی۔ بجنور میں ایک دفعہ حضرت مولانا موصوفؒ کے مکان پر جانا ہوا، تو باوجود بڑھاپے اور کمزوری کے گھر سے بڑا پُر تکلّف ناشتہ بنوا کر خود لائے۔ اور بار بار اس پر شکریہ ادا کرتے رہے کہ آپؒ نے زیارت اور ملاقات کا موقع فراہم کیا۔ اپنی تکلیف اور معذوری کی وجہ سے رائے پور نہ آنے پر معذرت کی۔ گزشتہ سال کے سفر میں دارالعلوم دیو بند حاضری ہوئی تو آپ بہت زیادہ کمزور اور نحیف ہو چکے تھے، لیکن اس کے باوجود پورا دن حضرت کے اعزاز و اکرام میں بیٹھے رہے۔ اور دوپہر کے کھانے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔ حضرت اقدس رائے پوری سے بار بار فرماتے رہے کہ: ”میں اب معذور ہو گیا ہوں، ورنہ خود رائے پور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، آپ نے ذرہ نوازی کی کہ ملاقات کے لیے تشریف لائے“۔ نیز مہتمم صاحب نے اپنے آبائی شہر بجنور میں بھی آنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ: ”جیسے گزشتہ سفر میں مراد آباد جاتے ہوئے آپ نے قیام کیا تھا، اسی طرح اب بھی کچھ دیر کے لیے قیام فرما ہوں“۔ الغرض بڑی محبت اور تعلق کا اظہار فرماتے رہے۔

اب حضرت مولانا موصوف پچانوے سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے حیاتِ جاودانی کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ دارالعلوم دیو بند اور اس سے وابستہ پوری دنیا کے تمام لوگوں کو مولانا موصوفؒ کے اس سانحۂ ارتحال سے بڑا دینی نقصان ہوا ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری اور ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ کی مجلس منتظمہ اور مجلس مشاورت کے تمام اراکین حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن کے سانحۂ ارتحال پر ان کے صاحبزادگان مولانا انوار الرحمٰن وغیرہ اور دارالعلوم دیو بند کے دفتر اہتمام کے تمام اراکین سے تعزیت کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ حضرت مولاناؒ کے درجات کو بلند فرمائے۔ اور انھیں اعلیٰ علیّین میں جگہ دے۔ اور پسماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے۔ مولاناؒ کے سانحۂ ارتحال پر ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ میں تعزیتی ریفرنس کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ جس میں حضرت اقدس رائے پوری نے ایصالِ ثواب کروایا۔ اور ادارے سے وابستہ پورے ملک میں تمام مدارس اور مراکزِ دینیہ میں ان کے لیے ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا۔

مہتمم دارالعلوم تعلیم القرآن پلندری آزاد کشمیر کا انتقالِ پُر ملال

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے شاگرد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف خان کشمیری مہتمم دارالعلوم تعلیم القرآن پلندری آزاد کشمیر، مؤرخہ 12 ستمبر 2010ء کو انتقال فرما گئے۔ مولانا موصوف اخلاص وللّٰہیت اور علم وعمل کی دنیا کے ایک عظیم انسان تھے۔ دارالعلوم دیو بند سے فراغت کے بعد تقریباً پینتالیس سال کشمیر اور گرد ونواح کے علاقوں میں آزادی اور حریت، علم وفضل اور دینی تعلیمات کے پھیلاؤ کے لیے مسلسل کام کرتے رہے۔ آپؒ کا تعلق بھی علما ومشائخ کے ساتھ انتہائی گہرا تھا۔ خاص طور پر مشائخ رائے پور سے آپؒ کو انتہائی تعلق تھا۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری عام طور پر جب بھی آزاد کشمیر اور پلندری کے دورے پر تشریف لے جاتے تو مولانا کے ہاں ہی قیام ہوتا۔ اور بڑی محبت اور تعلق سے ملاقات فرماتے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ: ”حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی زندگی میں کئی دفعہ میں نے ان سے بیعت کے بارے میں سوچا۔ اور ارادہ تھا کہ حضرت سے بیعت ہوں، لیکن شومیٔ قسمت سے ایسا نہ ہو سکا اور حضرت کا وصال ہو گیا۔“ اس کے بعد حضرت رائے پوری کی نسبت سے ہی حضرت سے ملاقات فرماتے۔ اور سفر خرچ کے لیے حضرت اقدس رائے پوری کو ضرور اپنے ہدیے سے نوازتے۔ اور نوجوانوں میں حضرت جو کام کر رہے تھے، اس کے پھیلاؤ کے لیے دعا فرماتے رہتے تھے۔ چناں چہ کالج اور یونیورسٹی کے نوجوانوں میں حضرت کی جدوجہد کی بڑی تعریف فرماتے۔

شیخ الحدیث صاحبؒ کے انتقالِ پُر ملال سے نہ صرف پاکستان، بلکہ پورے عالمِ اسلام میں پُرانے بزرگوں کے اٹھنے سے ایک خلا پیدا ہو گیا۔ ان کے انتقال پر ادارہ رحیمیہ میں ایصالِ ثواب کے لیے اہتمام کیا گیا۔ اور حضرت اقدس رائے پوری نے ان کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔ نیز اپنی معذوری اور سفر کی صعوبت برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے اپنے مجازین حضرت مولانا قاری تاج افسر صاحب اور حضرت مولانا قاضی محمد یوسف صاحب اور دیگر علمائے کرام پر مشتمل ایک وفد کو دارالعلوم پلندری بھیج کر تعزیتی پیغام بھجوایا۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ سے وابستہ ملک بھر میں تمام مدارس اور مراکزِ دینیہ میں ان کے ایصالِ ثواب کے لیے تعزیتی پروگرامز منعقد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔ اور ان کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore 123-R رجسٹرڈ نمبر

بقیہ خطبہ جمعۃ المبارک

جس دائرے اور شعبے کی بات ہو، اس کو اسی دائرے میں رکھ کر سمجھنا، یہ داعی اور رہنما کے فرائض اور ذمہ داریوں میں سے ہے۔ ورنہ وہ داعی نہیں بن سکتا۔ وہ نبیؑ کی نبوت کا وارث نہیں بن سکتا۔ وہ صحابہؓ کی عظمت اور ان کی نیابت کے فرائض اور ذمہ داریاں ادا نہیں کرسکتا۔ وہ اولیاء اللہ کا متبع نہیں بن سکتا۔ وہ انقلابی نہیں بن سکتا۔ یہی وہ بنیادی فہم اور شعور ہے، جو انسانیت کی مجموعی ترقی کے لیے کردار ادا کرتا ہے۔

آج بڑی غفلت ہے کہ فکری انتشار کے زمانے میں طرح طرح کے الجھاؤ، نظریات و افکار میں تضادات ہمارے معاشرے میں پیدا کیے جاتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں نوجوانوں کو یکسوئی کے ساتھ دین کے بنیادی فہم اور شعور سے کاٹنے کے لیے طرح طرح کے الجھاؤ پیدا کیے جاتے ہیں۔ نظریاتی گمراہی اور ذہنی طور پر انتشار میں مبتلا کرنے کے لیے بہت سے حربے اختیار کیے جاتے ہیں۔ ''اسلام'' کا نام لے کر ہی فرقے بنا دیے جائیں، ''وحدتِ انسانیت'' کا عنوان لے کر انسانیت کو پارہ پارہ کیا جائے، ''امن'' اور ''سیاست'' کا نام لے کر ہی بدامنی اور ظلم پیدا کر دیا جائے، ''معاشی عدل وانصاف'' کا نام لے کر ہی لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالا جائے، ''اَخلاقِ اربعہ'' کو عنوان بنا کر ہی بداَخلاقی کے مظاہرے کیے جائیں، ''نظریات'' کا لفظ بول کر ہی confusions اور فکری الجھاؤ پیدا کر دیا جائے، یہ سب سامراجی حربے ہیں۔

آج نوجوان کو اعتماد دینے کی ضرورت ہے۔ اس کو حوصلہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے اندر جرأت اور ہمت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اسے دوٹوک اور قطعی طور پر لائن آف ایکشن دینے کی ضرورت ہے۔ کہ وہ بنیادی امور کو سمجھ کر اقدامات کے لیے آگے بڑھے۔ اس کو الجھاؤ میں مبتلا کر دینا، اس کو گروہیت کے اندر بانٹ دینا، اس کو فرقوں کے اندر تقسیم کر دینا، اس کے اندر لفظی الجھاؤ کی بنیاد پر انتشار پیدا کرنا، خطرناک روِش ہے۔ ہمیشہ سے سامراج کا حربہ یہی رہا ہے کہ لوگوں کو مختلف امور پر تقسیم کرو۔ اور اپنی حکمرانی قائم کرو divide and rule۔ انتشار پیدا کرو۔ نسلی امتیاز، طبقاتی امتیاز، فرقہ وارانہ امتیاز پیدا کرو۔ اور خاص طور پر ان کا نشانہ دین اسلام کی سچی تعلیمات ہیں۔ کہ اسلام ہی کو عنوان بنا کر اسلام ہی کے نام پر فرقے اور گروہ کھڑے کر کے، اسلام ہی کی مختلف تشریحات اور تعبیرات پیدا کر کے نوجوان کو اپنے نظریے پر یکسو نہ ہونے دیا جائے۔ یہ سب سے بڑی خرابی ہے۔ آج سوشلسٹ نظریات رکھنے والے لوگ، اور اس نظریے پر اپنے ملکوں کا نظام قائم کرنے والے لوگ، اپنے نظریات کے بارے میں کسی قسم کا ابہام نہیں رکھتے۔ اور پھر ان کی پارٹی کا اپنا دائرہ کار ہے۔ وہ واضح اور دوٹوک ہے۔ کوئی غیر سوشلسٹ اس سوشلسٹ پارٹی میں داخل نہیں ہوسکتا۔ چاہے کتنا ہی ایڑی چوٹی کا زور لگالے، اسی طرح سرمایہ داری بنیادوں پر جو جماعتیں قائم ہیں، وہ اپنے نظریات میں یکسو ہیں۔ ایسے حالات میں مسلمان نوجوان کو نظریاتی الجھاؤ کے اندر مبتلا کرنا، ان میں فکری انتشار پیدا کرنا اور انفرادی تشریح کی بنیاد پر دین اسلام کے حوالے سے نظریاتی ابہام پیدا کرنا، یہ سب سے بڑی خرابی ہے۔

آج ضرورت ہے کہ ہمارا مسلمان نوجوان دین اسلام کی سچی تعلیمات کے بنیادی شعور اور فہم وبصیرت سے مزین ہو۔ سمجھنے کی کوشش کرے کہ نظریات وافکار کے بنیادی اُمور کیا ہیں؟ فرائض اور ذمہ داریوں کے دائرے کیا ہیں؟ اسے کن کن بنیادی اُمور کی اساس پر آگے بڑھنا ہے، عملی اقدامات کرنے ہیں۔ وہ الجھاؤ کی حالت سے نکلے۔ انتشار کے ماحول سے نکلے۔ اعتماد اور حوصلے کے ساتھ آگے بڑھے۔ اور اپنے نظریے کا نظام بنانے کی جدوجہد اور کوشش کرے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں دین کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دینی مسائل

اس صفحہ پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتاء ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال (1): قرآن حکیم میں سجدۂ تلاوت کی کتنی آیات ہیں؟ ان میں سے کس جگہ سجدۂ تلاوت ضروری ہے؟ اور سجدۂ تلاوت کا کیا طریقہ ہے؟ یاسر علی، پشاور

جواب: قرآن حکیم میں چودہ آیات ایسی ہیں، جن کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے۔ ان آیات پر قرآن حکیم کے نسخوں میں ''سجدہ'' کا لفظ لکھا ہوا ہوتا ہے۔ البتہ سورہ حج کی دوسری آیت کا جو سجدہ لکھا ہے،، احناف کے ہاں وہ نہیں ہے۔ اور سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ بغیر ہاتھ اٹھائے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلے جائیں۔ کم از کم تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھیں اور اللہ اکبر کہہ کر اُٹھ جائیں۔ سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا۔

سوال (2): ایک شخص روزے کی حالت میں پیاس کی شدت اور بھوک سے فوت ہوگیا۔ جب کہ اس کو یہ کہا گیا کہ ایسی حالت میں شریعت نے روزہ افطار کر دینے کی اجازت دی ہے۔ لیکن اس نے روزہ افطار نہ کیا تو کیا یہ عمل شرعاً گناہ ہے یا نہیں؟ وسیم اعجاز، کراچی

جواب: روزے کی حالت میں انتقال کرنے والا شخص عنداللہ بہت بڑے اجر وثواب کا مستحق ہے۔ اگرچہ اس کو ایسی حالت میں روزہ افطار کر لینا درست تھا۔

سوال (3): رمضان المبارک میں بوقت سحری ایک شخص کو احتلام ہوا۔ اور اُسے یقین ہے کہ غسل کرنے کے بعد کھانے کا وقت باقی رہے گا۔ مگر اس نے کاہلی کی وجہ سے غسل نہیں کیا۔ اور کھانا کھالیا تو کیا اس کا روزہ درست ہو جائے گا یا نہیں؟ محمد دلشاد، حاصل پور

جواب: جنابت کی حالت میں ہاتھ منہ دھوئے بغیر کھانا پینا خواہ رمضان المبارک میں ہو یا دوسرے دنوں میں، خلاف اولیٰ ہے۔ بہتر ہے کہ سحری کھانے سے قبل غسل کرے یا وضو یا کم از کم ہاتھ دھوئے۔

سوال (4): ایک شخص موسم گرما کے روزوں کی قضا سردی کے موسم میں کرتا ہے۔ جب کہ سرما کا روزہ کم از کم دو گھنٹے موسم گرما کے روزے سے چھوٹا ہے، تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

محمد عظیم، ٹاؤن شپ، لاہور

جواب: موسم گرما کے روزوں کی قضا موسمِ سرما میں درست ہے۔ اور ثواب میں کسی قسم کی کمی نہ ہوگی۔

سوال (5): زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ ابھی عدت باقی تھی کہ اس نے اپنی مطلقہ بیوی کی بہن سے شادی کر لی۔ کیا یہ نکاح درست ہے؟ شکیل الرحمٰن ساجد، بہاولنگر

جواب: جب تک پہلی مطلقہ بیوی کی عدت پوری نہ ہو جائے، اس کی بہن سے نکاح کرنا درست نہیں ہے۔ زید نے قطعی طور پر غلط کام کیا ہے۔

سوال (6): ایک شخص بیماری کی وجہ سے آپریشن کرواتا ہے۔ دورانِ آپریشن خون لگانا عام طور پر ضروری ہوا کرتا ہے۔ چناں چہ اس کی بیوی کا خون اس کی اجازت سے مریض کو لگا دیا گیا، جو اس کے جسم میں منتقل ہوگیا تو کیا شرعاً ان کے نکاح پر کوئی اثر ہوگا؟ ڈاکٹر آصف، لاہور

جواب: بوقت مجبوری عورت کا خون بھی اس کے خاوند کو لگایا جا سکتا ہے۔ اور اس سے ان کے نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔